جیسے مجبور اور جوابدہ ہیں۔" عدلیہ پر کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا قطعاً کوئی دباؤ نہیں ہو سکتا۔ لہذا "قانون کی بالادستی" اسلامی خلافت کی ایک ایسی امتیازی خصوصیت ہے جس کی کوئی دوسری حکومت مثال پیش نہیں کر سکتی۔

۸۔ انسان کی غلامی سے نجات

ملوکیت میں ایک انسان کی غلامی ہوتی ہے۔ جمہوریت میں پارلیمنٹ کی۔ اسی طرح دوسرے نظامہائے حکمرانی میں جو فرد یا ادارہ مقتدر اعلیٰ ہوگا۔ وہ حاکم اور عوام یا رعایا اس کی غلام ہوگی۔ بادشاہ یا ادارہ جب چاہے نئے احکام و قوانین جاری کر سکتا ہے، عوام کے بنیادی حقوق معطل کر سکتا ہے۔ نیز کئی طرح کی پابندیاں لگا سکتا ہے جب کہ خلافت میں امیر اور رعایا پر ایک ہی قانون نافذ ہوتا ہے۔ دونوں اللہ کے بندے اور غلام ہوتے ہیں۔ کوئی انسان کسی حاکم یا ادارے یا دوسرے انسان کا غلام نہیں ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کے نام جو نامہ مبارک لکھا تھا۔ اس میں درج ذیل الفاظ قابلِ غور ہیں۔

من محمد النبی رسول اللّٰہ الی اسقف نجران فانی احمد الیکم اِلٰہ ابراھیم واسحٰق ویعقوب، اما بعد فانی ادعوکم الی عبادۃ اللّٰہ من عبادۃِ العبادِ الخ (البدایۃ والنھایۃ ج ۵ ص۵۳)

یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف نجران کے سردار کے نام ہے۔ میں تمہارے سامنے ابراہیم، اسحٰق و یعقوب کے معبود کی حمد کرتا ہوں۔ ازاں بعد تمہیں بندوں کی غلامی سے نجات دلا کر اللہ تعالیٰ کی غلامی اور عبدیت کی طرف بلاتا ہوں ..... تا آخر

۵۔ پارلیمنٹ اور شوریٰ کا تقابلی مطالعہ

ایک صاحب فرماتے ہیں :-

"تعاونوا علی البر والتقوٰی کو پارلیمنٹری پارٹی کی اصل قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ پارٹیوں کو گوارا نہیں کرتے وہ چاہتے ہیں کہ ہر دو سال بعد جنگ جمل، ۵ سال بعد جنگ صفین اور دس سال بعد کربلا بپا کرتے رہیں۔

ملاحظہ فرمائیے کہ جب انسانی سوچ غلط راستے پر پڑ جائے اور اس میں تعصب پیدا

ہو جائے تو کیا کیا گل کھلاتی ہے۔ صاحب موصوف کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا واقعات اس لیے پیش آئے کہ پارٹیوں کے وجود کو گوارا نہ کیا گیا۔ بالفاظ دیگر حضرت علیؓ کو چاہیے تھا کہ وہ حضرت معاویہ کی سیاسی کو برداشت کر لیتے۔ اسی طرح حضرت معاویہ کو بھی چاہیے تھا کہ حضرت علیؓ کی سیاسی پارٹی کو برداشت کر لیتے تاکہ یہ ہنگامے نہ ہوتے۔ اور یہ دونوں فریق (حزب اقتدار اور حزب اختلاف) مل بیٹھ کر کوئی سیاسی سمجھوتہ کر لیتے۔

قطع نظر اس بات کے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ محض الگ الگ سیاسی پارٹیاں نہ تھیں بلکہ متوازی حکومتیں تھیں، تاہم اگر فرض کر لیں وہ الگ الگ پارٹیاں ہی تھیں تو کیا ایسی متحارب پارٹیوں کا وجود ملت اسلامیہ میں برداشت کرنے کا کوئی جواز ہے؟ یا محض اس وجہ سے برداشت کر لینا چاہیے کہ جمہوری طرز کا تقاضا یہی کچھ ہے۔ کیا ان معرکوں کی اصل وجہ مسلمانوں کے سیاسی اختلاف سے زیادہ باغی اور بدمعاش عنصر کی مفسدہ پردازیاں نہ تھیں؟ جو مسلمان اپنی باطنی خباثت کی وجہ سے فریقین کو جنگ میں صرف اس لیے جھونک رہے تھے کہ صلح و آشتی کی صورت میں ان کی خیر نہیں؟ مندرجہ بالا معرکوں کے اسباب و علل سے متعلق ہمیں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم سردست یہ پوچھتے ہیں کہ موجودہ پارلیمنٹ جہاں سیاسی پارٹیوں کا وجود گوارا ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ وہاں تو سب "ٹھیک" ہی رہتا ہے۔ یہ پاکستان دولخت کیسے ہو گیا۔ مجیب اور بھٹو میں کیا اختلاف، تھا کہ ملک ہی تقسیم کرنا پڑا۔ وہاں مسلمانوں کا کتنا جانی اور مالی نقصان ہوا۔ یہ لوگ تو پارٹیوں کے وجود کو گوارا کرتے ہیں۔ اگر آپس کے اختلاف حل کرنے کا یہی طریقہ بہترین ہے تو پھر اسمبلیوں میں کرسیوں سے جنگ کیوں ہوتی ہے اور حزب اختلاف کی غنڈوں سے مرمت کیوں کروائی جاتی ہے؟

پھر کچھ دوست ایسے بھی ہیں جو موجودہ پارلیمنٹ کو شوریٰ کا نعم البدل قرار دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ بے شک اسے شوریٰ سے بہت مفید ادارہ سمجھیں مگر خدارا درمیان میں اسلام کا نام لا کر عوام کو گمراہ نہ کریں۔ اگر اسلام کا نام لینا ہے تو پھر اسلامی اقدار کے مطابق یہ دیکھنا ہو گا کہ آیا ایسے ادارہ کے وجود کا جواز بھی ہے یا نہیں؟ ذیل میں ہم ان دونوں اداروں کا موازنہ پیش کرتے ہیں۔

نظام خلافت میں شوریٰ کی حیثیت قطعاً وہ نہیں ہے جو جمہوری نظام میں مقننہ کی ہے ان دونوں کی بنیاد الگ، اصول تشکیل الگ اور اغراض و مقاصد الگ، غرض کوئی

چیز ایک دوسرے سے نہیں ملتی ۔ اب ہم اس فرق کو ذرا تفصیل سے واضح کریں گے ۔

۱ - اقتدار اعلیٰ پارلیمانی نظام میں آئینی اقتدار اعلیٰ خود پارلیمنٹ ہے اور سیاسی اقتدار اعلیٰ عوام ہوتے ہیں ۔ جب کہ شوریٰ کا اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے ۔ ہم اگر اپنے آئین کے دیباچہ میں سنہری اور جلی الفاظ میں یہ درج کردیں کہ پاکستان کا مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے لیکن اگر طرز انتخاب کے بنیادی اصول جمہوری ہی رہیں گے یعنی بالغ رائے دہی اور کثرت رائے پر فیصلہ تو یہاں اللہ کی حاکمیت کبھی قائم نہیں کی جا سکتی اور نہ یہاں اسلام کا بول بالا ہو سکتا ہے ۔ اس کی وجہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے (ملاحظہ ہو کیا جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کیا جا سکتا ہے) ۔

۲ - پارلیمنٹ کا کام عوام کی خواہشات کے مطابق قانون سازی ہے اگر ۱۰۰ میں سے ۵۱ ممبر یہ کہہ دیں کہ سود کے بغیر معیشت نہیں چل سکتی تو سود آئینی طور پر جائز ہو جائے گا ۔ جب کہ شوریٰ کو قانون سازی کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ۔ وہ قرآن و سنت کی شکل میں پہلے ہی موجود ہے ۔ ذیلی اور انتظامی قوانین و ضوابط کے لیے قانون فہمی اور نفاذ کے لیے صرف ضوابط کا کام اس کے ذمہ ہوتا ہے ۔

ہمارے بعض دوست کہتے ہیں کہ قرار دادِ مقاصد منظور ہونے کے بعد شریعت کے منافی قانون بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ جن باتوں کے متعلق قرآن و سنت سے واضح احکام مل سکتے ہیں وہاں مشورہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ۔ مشورہ صرف مباح امور میں کیا جاتا ہے ۔

لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قرار دادِ مقاصد کی منظوری (۱۹۴۹ء) کے بعد سے لے کر آج تک ہمارے آئین میں بے شمار ایسی دفعات موجود ہیں جو قرآن و سنت کے منافی ہیں ۔ حالانکہ کئی بار اسلامی مشاورتی کونسلیں اور نظریاتی کونسلیں اسی غرض سے تشکیل دی جاتی رہی ہیں پھر یہی نہیں بلکہ آئندہ ایسے نئے قوانین بھی بنتے رہے جو صریحاً قرآن و سنت کے منافی تھے ۔ مثلاً عائلی قوانین جو ایوب خان کے دور میں پاس ہوا اور جس کے خلاف علماء نے احتجاج بھی کیا تھا ۔

ہمارے آئین میں ایسے قوانین کی فہرست بہت طویل ہے جو قرآن و سنت سے متصادم ہیں مگر ہمارے جمہوریت پسندوں کو نظر نہیں آتے ۔ ایسے غیر شرعی قوانین کی موجودگی کا اس سے واضح ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ موجودہ حکومت نے شریعت بنچ ، شرعی وفاقی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل جیسے ادارے محض اس غرض سے قائم کیے ہیں کہ ہمارے اس آئین کی شریعت

کے مطابق تطہیر کی جائے۔

۳- اہلیت شوریٰ کے ممبر فہم و بصیرت والے، پختہ کار اور نیک اور متقی ہوتے ہیں۔ وہ خدا کے سامنے جوابدہی کے تصور کو مد نظر رکھ کر حتی الامکان خیر خواہی سے مشورہ دیتے ہیں۔ اور چونکہ اس مشاورت کا مقصد اقرب الی الحق پہلو کی تلاش اور اللہ کی رضا کی جستجو ہوتا ہے لہٰذا ان میں نہ کسی مسئلہ پر اپنی رائے پر اصرار ہوتا ہے اور نہ ہی اَنا کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

پارلیمنٹ کے ممبر کی اہلیت یہ ہے کہ اس کی عمر ۲۵ سال سے کم نہ ہو اور اس کا نام فہرست میں درج ہو۔ نیز پچھلے ۵ سال کے عرصہ میں کسی عدالت سے فوجداری جرم میں سزا یافتہ نہ ہو۔ اس کی سزا کی مدت ۲ سال قید ہے۔ (آرڈر نمبر ۵ ۱۹۷۷ء آرٹیکل ۱۰)

یہ صاحب چور ہوں، خائن ہوں، ڈاکو، ملک دشمن یا غدار ہوں کوئی چیز ان کے انتخاب میں آڑے نہیں آسکتی۔

علمی لحاظ سے خواہ وہ قرآن کریم کا ایک لفظ بھی نہ جانتا ہو۔ اسلامی تعلیمات سے یکسر نابلد ہو۔ نظریاتی لحاظ سے خواہ وہ نظریہ پاکستان کا ہی دشمن ہو، سوشلزم کا حامی ہو۔ انتقام اور خونی انقلاب کے نعرے لگاتا ہو۔ بیرونی حکومتوں کا ایجنٹ ہونا بھی ثابت ہو۔ لسانی اور علاقائی تعصبات کو خوب بھڑکاتا ہو۔ کوئی بات اس کی انتخابی اہلیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اندازہ لگائیے اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے قانون ساز ادارہ میں ــــ جہاں قرآن و سنت سے استنباط کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ــــ یہ صاحب کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ کیا یہ پوری قوم اور خود اسلام سے بدترین مذاق نہیں؟ ایسے لوگ اپنے پیسہ اور علاقہ میں غنڈہ گردی کے اثر و رسوخ کی بنیاد پر اسمبلیوں تک پہنچ جاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس سینکڑوں کی تعداد میں سے دس آدمی بھی بمشکل ایسے نکل سکیں گے جو معاملہ زیر بحث کو سمجھ کر کچھ مشورہ دینے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

علاوہ ازیں اسمبلی میں حزب اختلاف کا وجود اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ وہ کبھی حزب اقتدار کو خیر خواہی سے مشورہ نہیں دے سکتا۔ باہمی رقابت اور اَنا کا مسئلہ یہ دونوں باتیں مثبت انداز فکر اختیار کرنے کی راہ میں حائل ہوتی ہیں اور ہمارے خیال میں ہمارے تنزل و انحطاط کی سب سے بڑی وجہ یہی طریق مشورہ اور پارلیمان ہے۔ ہم نے پہلے ۳۰ سال میں اصل منزل کو کھویا ہی ہے کچھ پایا نہیں۔

پارلیمنٹ سرمایہ دار اور عیار لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کے پلیٹ فارم سے سرمایہ بولتا ہے۔ سرمایہ یا پارٹی فنڈ کے بغیر جمہوریت ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی۔ پارلیمنٹ سرمایہ دار کا تحفظ کرتی ہے اور سرمایہ دار اس کا تحفظ کرتا ہے۔ یہ سرمایہ داری کا نظام ہے۔ ذہانت وخطابت کا نہیں۔ اس سے جمہوریت کے لبادے میں امراء کی حکومت قائم ہو جاتی ہے جو عوام کے نام پر غریب عوام کا استحصال کرتی ہے جب کہ شورائی نظام میں امیر و غریب کا کوئی مسئلہ نہیں وہاں صرف اہل تقویٰ کو آگے لایا جاتا ہے تاکہ وہ امورِ سلطنت کو اللہ کی رضا و مرضی کے مطابق سرانجام دیں۔ یہی وجہ ہے کہ شورائی نظام میں صاحب الرائے اور متقین کی تلاش و جستجو کرنا پڑتی ہے لیکن پارلیمانی نظام میں ہر دولت مند اقتدار حاصل کرنے کے لیے خود بے چین نظر آتا ہے۔

اسمبلی اور دوسرے بلدیاتی اداروں کے ممبروں (عوام کے نمائندگان) میں عملاً مندرجہ اوصاف کا موجود ہونا ضروری ہے۔

۱۔ سرمایہ دار اور اقتدار کا بھوکا ہو۔ یہ سرمایہ خواہ وہ اپنی گرہ سے خرچ کرے یا اسے پارٹی مہیا کرے۔

۲۔ عیار ہو۔ اپنے گن گانے اور حریف کی تذلیل کے فن سے آگاہ ہو۔ جائز و ناجائز کا مول میں کود جانے کی جسارت رکھتا ہو۔ جوڑ توڑ کے فن سے بھی آشنا ہو۔ خوف خدا اور اسلامی اقدار اس کے سامنے ہیچ ہوں۔

۳۔ تھانہ اور عدالتوں میں اسے دسترس ہو تاکہ بدمعاش لوگوں کی سرپرستی کر سکے۔ ان کے جرم پر پردہ ڈال کر انھیں بے گناہ ثابت کر کے انھیں سزا سے بچا سکے تاکہ یہی لوگ انتخابات کے دوران اس کے دست راست اور ممد و معاون ثابت ہوں اور اس کا حساب چکا سکیں۔ اس طرح یہ دونوں مل کر عوام کے حقوق کا استحصال کرتے ہوں۔

اگر ہمارے نمائندہ میں ان اوصاف میں سے کسی ایک کی بھی کمی ہو تو اس کی کامیابی کے امکانات کم ہی رہ جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اہل شوریٰ کا نعم البدل ہیں۔

کثرت رائے معیارِ حق کا اصول بہت بڑی قباحت ہے جو مندرجہ بالا صورت حال کے پیش نظر گوارا کرنا پڑتی ہے۔ ورنہ ایسی صورتِ حال کسی معاملہ کا فیصلہ ہونا ناممکن ہے۔

جمہوری نظام میں یہ اصول بہ امر مجبوری اختیار کیا گیا ہے جس کی حیثیت بنائے فاسد علی الفاسد سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس اصول سے معاملہ کا نزاع تو ختم ہو سکتا ہے لیکن راہِ صواب سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس شوریٰ میں مشورہ طلب معاملہ کے لیے دلیل کی جستجو ہوتی ہے۔ میر مجلس ہر ممبر سے دلیل کا خواہاں ہوتا ہے پھر جس سے دلیل میسر آجائے۔ وہ خواہ اقلیت کی بجائے صرف فرد واحد ہی ہو، جب میر مجلس اس پر مطمئن ہو جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہے۔

پارلیمنٹ میں چونکہ فیصلہ کی بنیاد کثرت رائے ہے اس لیے کثرت رائے حاصل کرنے کے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ دوسری پارٹیوں کے ممبروں کو ہم رائے بنانے کے لیے گٹھ جوڑ شروع ہو جاتا ہے جو مزید مناقشت اور انتشار کا باعث بنتا ہے۔ لیکن شوریٰ ایسی قباحتوں سے پاک ہوتی ہے اور مشورہ پوری خیر خواہی سے دیا جاتا ہے۔ گویا پارلیمنٹ کے ممبر انتخاب کے بعد نئے سرے سے جرائم کے ارتکاب میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ جبکہ شوریٰ کے ممبروں کا اصل مقصد ہی جرائم کا استیصال ہوتا ہے۔

۵۔ حق انتخاب اور طریق انتخاب: پارلیمنٹ کے ممبر کاروبارِ حکومت میں اپنا حق سمجھ کر نمائندگی کے لیے درخواست گزارتے ہیں۔ فیصلہ چونکہ کثرت رائے پر ہوتا ہے۔ لہٰذا انھیں اپنی تشہیر اور دوسرے رقیبوں کے مقابلے میں اپنی اہلیت اور پاکیزگی ثابت کرنے کے لیے اور دوسرے فریق کی تذلیل کے لیے اشتہارات، پوسٹر، گھر گھر جا کر ووٹ کے لیے بھیک مانگنا، جلسے جلوس وغیرہ سرانجام دینے کے لیے کثیر مصارف برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ وہاں کئی قسم کے جائز و ناجائز ہتھکنڈے بھی استعمال کرنا پڑتے ہیں۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو قرآن و سنت کی رو سے ناجائز اور قبیح جرائم ہیں۔ جب منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں تو انھیں سب سے زیادہ فکر اس زر کثیر کی ہوتی ہے جو اس مہم پر صرف ہوا ہے۔ اس کی تلافی کے لیے وہ کئی طرح کی بد دیانتیوں کے مرتکب ہوتے اور خزانہ عامرہ پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔

اس کے برعکس شوریٰ کے ممبروں کا انتخاب بالکل سادہ اور فطری طریق پر ہوتا ہے۔ امیر مشورہ سے حسب ضرورت مشیروں کا انتخاب (SELECTION) کر لیتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی اہلیت کی بنا پر از خود ہی معاشرہ کی سطح پر ابھر آتے ہیں۔ لہٰذا ان کے انتخاب میں دقت نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں کسی مخصوص علاقہ کے لوگ بھی ایسے آدمیوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔

اور ان کے عزل و نصب میں عوام کی اس آزادانہ رائے کو بھی خاصا دخل ہوتا ہے۔ ان کے انتخاب کے لیے کسی مصنوعی طریقہ یا انتخابی مہم کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہاں مشیر کا نہ تو دولت مند ہونا ضروری ہوتا ہے۔ نہ اسے کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا انھیں نہ تو مذکورہ جرائم کا مرتکب ہونا پڑتا ہے اور نہ ہی رشوت اور غبن کے ذریعہ انھیں اپنی دولت بڑھانے کی فکر ہوتی ہے۔

۶۔ <u>مدت منصب</u>: جمہوریت میں پارلیمنٹ کی ممبرشپ ایک حق ہے۔ اب اسی طرح کے دوسرے حق دار اس انتظار میں رہتے ہیں کہ انھیں یہ حق کب نصیب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس منصب کی مدت معین کر دی گئی ہے۔ جب کہ شوریٰ کی ممبرشپ حق نہیں بلکہ ایک ذمہ داری ہے۔ اور یہ مشیر خدا کے سامنے جوابدہی کے تصور کو سامنے رکھ کر اپنا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ لہٰذا یہاں مدت منصب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۶۔ امیر اور شوریٰ کا انتخاب

اولوالامر کے اوصاف

۱۔ مسلمان ہونا

ایک اسلامی ریاست کے خلیفہ یا امیر اور اسی طرح باقی سب اولوالامر — جن میں اہل شوریٰ یا ارباب حل و عقد، انتظامیہ اور عدلیہ کے ممتاز ارکان شامل ہیں — کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے اور وہ لوگ جو اس نظریہ پر ایمان ہی نہ رکھتے ہوں وہ اس کا کاروبار کیسے چلا سکتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم (۴/۵۹)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں

دوسرے مقام پر فرمایا:

يا ايها الذين امنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يالونكم خبالا (۳/۱۱۸)

اے ایمان والو! نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا۔ وہ کمی نہیں کرتے تمھاری خرابی میں۔

گو امیر یا اولوالامر کی یہ صفت بادی النظر میں چنداں اہم معلوم نہیں ہوتی لیکن اس کی اہمیت...